تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی
(تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں)

محمد عبداللہ*

رسول اکرم ﷺ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے، روم وفارس کی طاقتوں کا سکّہ چل رہا تھا۔ دونوں طاقتیں ایک دوسرے کو زیر کرنے کی درپے تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس ''آسمانی بادشاہت'' کی منادی سنائی تھی اور معلّم بن کر جس اخلاق کا درس دیا تھا وہ فراموش ہو رہا تھا۔ مسیح علیہ السلام نے جس ہستی کی آمد کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

''وہ تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔''(۱)

اس کا انتظار تھا۔ خطۂ عرب باوجود اپنی لسانی فصاحت وبلاغت اور نسلی تفاخر کے اخلاقی معائب میں گھر چکا تھا۔ ایسے میں نبی آخر الزمان حضور علیہ الصلاۃ والسلام معلّمِ انسانیت بن کر تشریف لائے جنہوں نے اپنی آمد کا اعلان کچھ یوں فرمایا۔

انّما بعثتُ معلّما۔(۲) بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آپ کا یہ اعلان نہ صرف پوری انسانیت کے لیے انقلاب کی نوید تھا بلکہ تعلیم کے ساتھ اخلاق وکردار کو عملی زندگی کا لازمی حصہ بنانا تھا اس امر کا اعلان بھی یوں فرمایا:

انّما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق. (۳) مجھے تو مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی بعثت سے تا دمِ آخریں تعلیم وتربیت کے دونوں امور وفرائض بیک وقت سرانجام دیئے اور اپنی اس الہامی تعلیم سے نہ صرف خطۂ عرب میں بلکہ اس وقت کی اور قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے ہمہ گیر انقلاب کی نوید سنائی۔

زیرِ نظر مقالہ میں ذیلی عنوانات کچھ اس طرح سے ترتیب دیئے گئے ہیں:

۱۔ تعلیم وتربیت کا مفہوم

۲۔ تعلیم وتربیت کی ضرورت واہمیت

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۳۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض چہارگانہ
۴۔تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی کا نبوی منہاج
۵۔حرفِ آخر
۶۔حوالہ جات وحواشی

تعلیم وتربیت کا مفہوم:

زیرِنظر مقالہ میں تعلیم وتربیت کی دو اصطلاحات بطور خاص ذکر کی گئی ہیں بظاہر دو الگ الگ استعمال ہونے والے الفاظ بہت قریب بلکہ باہم مترادف ہیں۔ذیل میں ہر دو کے معانی پر نظر ڈالتے ہیں۔

تعلیم:

علّم ،یعلّم، تعلیم باب تفعیل سے لفظی معنی اچھی طرح جاننا، سیکھنا، تعلیم حاصل کرنا۔قرآن حکیم میں کئی جگہوں پر اس مادہ سے یہ لفظ آتا ہے۔الرّحمٰن علّم القرآن. ویعلّمهم الکتب، علّم بالقلم اس طرح حدیث مبارکہ میں آتا ہے۔خَیر کم من تعلّم القرآن وعلّمه(۴) امام راغب لکھتے ہیں: بار بار کثرت کے ساتھ خبر دینے کے ہیں کہ متعلّم کے ذہن میں اس کا اثر پیدا ہو جائے (۵)۔

تربیت:

تربیت کا لفظ ربا سے مشتق ہے جس کے معنی پلنے اور بڑھنے کے ہیں۔جیسا کہ ارشادالٰہی ہے: فَاِذَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ(۶) اسی طرح حدیث مبارکہ ہے۔

وتربو فی کفّ الرحمٰن حتی تکون اعظم من الجبل(۷)۔ اور صدقہ اللہ تعالیٰ کی ہتھیلی میں بڑھ کر پہاڑ سے زیادہ عظیم ہو جاتا ہے۔

امام بیضاوی اور امام راغب نے اس آیت اور حدیث کی روشنی میں تربیت کے معنی کسی چیز کا آہستہ آہستہ کمال کو پہنچانا بتایا ہے (۸)۔

درحقیقت تربیت کا لفظ اپنے وسیع تر معنی میں ”انسان خاص کر چھوٹے بچوں کی جسمانی، عقلی، روحانی اور فکری قوتوں کو اجاگر کرنا ہے اور پرورش کے ذریعے ان کی مخفی صلاحیتوں کو کمال بخشنا ہے (۹)۔
امام غزالی فرماتے ہیں:

”بچہ والدین کے پاس اللہ کی امانت ہے۔اس کا پاک دل ایک صاف شفاف عمدہ جوہر ہے۔
جوہر طرح کے نقش نگار سے خالی ہے اس پر جس طرح کا نقش جمانا چاہیں جم جائے گا۔اگر اچھی
عادتوں کا خوگر بنایا گیا اور تعلیم وتربیت کا عمدہ بندوبست کیا گیا تو وہ دنیا وآخرت میں سعادت مند

ہوگا اور اسکے والدین، مربی اس کے اجر وثواب میں برابر کے شریک ہوں گے۔اور اگر اس کی تربیت وتعلیم میں غفلت برتی گئی اور اسے بری عادتوں کا خوگر بنایا گیا تو وہ ہلاک و برباد ہوگا اور اس کی ذمہ داری اس کے سرپرستوں پر ہوگی‘‘۔جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾(۱۰)

تعلیم وتربیت میں فرق:

تربیت کے مقابلے میں تعلیم کا دائرہ کار محدود ہے۔تعلیم کے ذریعہ صرف عقلی قوتوں کو اجاگر کیا جاتا ہے جبکہ تربیت کے ذریعہ انسان کی جملہ فطری قوتوں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔لیکن تعلیم وتربیت بسا اوقات بطور مترادف بھی استعمال ہوتا ہے۔اگر تعلیم وتربیت کا لفظ ایک ساتھ بولا جائے تو دونوں کے معنی جدا جدا ہوں گے اور اگر الگ الگ بولا جائے تو دونوں کے معنی ایک ہوں گے۔جیسا کہ عربی کا قاعدہ ہے۔اذا اجتمعا افترقا و اذ افترقا اجتمعا. (جب دونوں یک جا ہو جائیں تو ان کی مراد بدل جاتی ہے اور جب دونوں جدا ہو جائیں تو مراد اکٹھی ہو جاتی ہے)(۱۱)۔

؎ خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

تعلیم وتربیت کی ضرورت واہمیت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر وشر دونوں قوتیں رکھی ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا. فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا. قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰھَا . وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا﴾(۱۲)

انبیاء کرام علیہم السلام انسان میں اخلاق حسنہ کے فروغ واشاعت اور اخلاق رذیلہ کے خاتمہ کے لیے ہر دور میں تسلسل کے ساتھ دنیا میں آتے رہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صراحتاً پیغمبر کی بعثت کا یہ مقصد بتایا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۱۳)۔

(جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے۔ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔)

؎ خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشتِ خاک میں پیدا ہو آتشِ ہمہ سوز

قدیم ماہرین تعلیم وتربیت میں سے سقراط اور افلاطون کا نظریہ یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں تبدیلی ممکن نہیں بلکہ وہ اپنی تخلیق پر قائم ودائم رہتی ہے۔جبکہ ارسطو اور ابن سینا کا خیال ہے کہ ایک محدود دائرہ میں تربیت کے ذریعہ فطرت کے اندر تبدیلی لائی جاسکتی ہے اس لیے کہ ہر جسم کی ایک خاصیت ہے جو اس سے کبھی بھی ختم نہیں ہوتی جیسے پتھر کا نیچے گرنا،

آگ کا اوپر کی طرف جانا وغیرہ۔ انسان کی طبیعت بھی ایک محدود خاصیت کی حامل ہے جس کی تربیت محدود دائرہ میں کی جا سکتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آراء کی تردید کرتے ہیں کہ اگر فطرت کے اندر تبدیلی نہ ہو اور اخلاق کا بدلنا غیر ممکن ہو تو تعلیم وتربیت، وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ ایک لایعنی فریضہ قرار پائے (۱۴)۔

علم النفس کے ماہر کانٹ (Kant) کہتے ہیں کہ یقیناً مذہب کی طلب ہماری ذات میں موجود ہے جس کا سرچشمہ وہ قادرِ حقیقی ہے جو جملہ قانون کا خالق ہے۔ ہماری ذات پر حکومت کراتی ہے اور ہم پر غالب ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ قوت انسان کو اپنے مالکِ حقیقی کی معرفت کراتا ہے سکونِ قلب جگر عطا کرتا ہے اور اس طرح انسان اپنے مالک حقیقی کو پا کر فطری خواہش کی تکمیل کرتا ہے۔ اسی امر کی طرف قرآن پاک اشارہ کرتا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱۵)

سو تو ایک طرف کا ہو کر دین پر سیدھا منہ کر کے چلا جا اللہ کی دی ہوئی قابلیت پر جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بناوٹ میں ردوبدل نہیں یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اس حقیقت کو مزید واضح کرتا ہے:

ما من مولود الا یولد علی الفطرة فابواه یهودانه أو ینصّرانه أو یمجّسانه کما تنتج البهیمة جمعاء هل تحسون فیها مِن جدعاء(۱۶)۔

ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسا کہ چوپایا صحیح سالم اعضاء کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے کیا تم اس کی پیدائش میں کسی قسم کا نقص دیکھتے ہو۔

ایک اور حدیث قدسی ہے:

انی خلقتُ عبادی حنفاء کلهم وانهم انتهم الشیاطین فاجتالتهم عن دینهم وحرمت علیهم ما احللت لهم وامرتهم ان یشرکوا بی مالکم انزل به سلطانا(۱۷)۔

میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا پھر شیاطین ان کو ان کے دین سے ہٹا لے گئے۔ میری حلال کردہ چیزوں کو ان کے لیے حرام کر دیا اور انہیں میری ذات میں شریک ٹھہرانے کا حکم دیا جس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں۔

اس فطری قوت کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا سلسلہ جاری کیا تا کہ اسے صحیح مقاصد کی تکمیل پر لگایا جائے کیونکہ اس عالم رنگ وبو میں ان کی گمراہی کے خارجی اور داخلی اسباب موجود ہیں۔ ساتھ ہی قدرت نے انسان کی فطرت میں دینِ اسلام کی قبولیت کی صلاحیت رکھی تا کہ انسان اپنی اس فطری صلاحیت کو بروئے کار لا کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ اگر انسان کی فطرت اس صلاحیت سے خالی ہو تو انسان کبھی دولت ایمان سے شرف یاب نہ ہوتا۔ حیوان اس فطری قوت سے محروم ہے اس لیے وہ دین کے اصول ومبادی کو قبول کرنے سے عاجز ہے۔ اگر تربیت کے تمام

اصول یکے بعد دیگرے کسی حیوان پر آزمائیں جائیں تب بھی وہ حیوان ہی رہے گا کیونکہ قبولیت دین کی صلاحیت اس کے اندر موجود نہیں اور یہیں سے انسان حیوان سے ممتاز ہوتا ہے(۱۸)۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت کے دونوں پہلوؤں کو اجاگر فرمایا۔ ایجابی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ادّبوا اولادکم علی ثلاث خصال حبّ نبیکم وحبّ آل بیته وتلاوة القرآن فان حملة القرآن فی ظلّ عرش الله یوم لا ظلّ الا ظلّه(۱۹)۔

(تین خصلتوں پر اپنی اولاد کی تربیت کرو اپنے نبی کی محبت پر، آل بیت کی محبت پر اور قرآن مجید کی تلاوت پر، بے شک حاملین قرآن اس دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے جس دن عرش کے سائے کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔)

تربیت کے سلبی پہلو کی وضاحت تشبیہ کے ذریعے یوں فرمائی:

مثل جلیس الصالح والسوء کحامل المسک ونافخ الکیر فحامل المسک اما ان یهدیک واما ان تبتاع منه واما ان تجدمنه ریحاً طیبة ونافع الکیر اما ان تحرق ثیابک واما ان تجد منه ریحاً خبیثة(۲۰)

اچھے برے دوست کی مثال خوشبو اٹھانے والے عطار اور بھٹی پھونکنے والے لوہار کی ہے۔ عطّار یا تو تمہیں عطر ہدیہ کرے گا یا تم اس سے عطر خرید لو گے یا اس کی خوشبو سے تمہارا مشام جان معطر ہوگا اور بھٹی پھونکنے والا تمہارا کپڑا جلائے گا یا اس کی بدبودار ہواؤں سے تمہارے ناک میں دم ہوگا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ چہارگانہ-تعلیم وتربیت کا حسین امتزاج:

قرآن حکیم نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائضِ منصبی نہایت توضیح وتفصیل کے ساتھ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۲۹، سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۶۴ اور سورہ الجمعہ آیت نمبر ۲ میں بیان فرمائے ہیں۔ آیت ملاحظہ ہو۔

﴿هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ﴾(۲۱)

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی (کی باتیں) سکھاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

اگر ہم ان مذکورہ فرائض پر غور کریں تو ان سب میں ایک منطقی ترتیب نظر آئے گی نیز یہ ایک تعلیم وتربیت کا حسین امتزاج معلوم ہوگا۔

تلاوتِ آیات:

تلاوت آیات کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونے والی آیات کو مطلقاً پڑھنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ﴾ (۲۱)

چنانچہ مکہ میں اکابرین قریش کو قرآن سنانا اور اس کی تعلیم کو قبول کرنے کی دعوت دینا آپ کا معمول تھا۔ آپ مسجدِ حرام میں عین خانہ کعبہ کی دیواروں کے سایہ میں بلند آواز سے تلاوت فرماتے تاکہ قرآن کا پیغام قریش کے کانوں میں پڑ جائے بعض لوگ آپ سے بحث میں الجھتے تو آپ ان کو بھی قرآن کی آیات سنا کر اس کی تعلیم سے آگاہ فرماتے۔

اسی طرح حضورؐ پر ایمان لانے والوں کے لیے قرآن مجید کا پڑھنا اور اس کو یاد کرنا از بس ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعثت کے جلد بعد ہی اہل ایمان نے دارِارقم کو اپنی نشست و برخاست کا مرکز بنالیا اور رسول اللہؐ سے استفادہ کی سبیل پیدا کی۔ یہ لوگ وہاں قرآن پڑھتے پڑھاتے، اس پر مذاکرہ کرتے اور اس کی روشنی میں اپنے عقائد واعمال کی اصلاح کرتے۔ یہاں کی تربیت حاصل کرنے والی جماعت اسلام کی زبردست جانثار جماعت ثابت ہوئی اور وہ بھی تلاوت آیات کے کام میں حضور کی شریکِ کار بن گئی (۲۲)۔

تعلیمِ کتاب:

کتاب کا ایک مفہوم وحی آسمانی اور اس پر مشتمل کتاب ہے **ذالک الکتاب لا ریب فیه** کتاب کا دوسرا مفہوم قانون شریعت ہے۔ تعلیم سے مراد کسی کو بڑے اہتمام سے سکھانا ہے۔ اس اہتمام کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی کتاب سنائی اور پڑھائی جائے تو اس کو ہر پہلو سے واضح کیا جائے۔ سننے والوں کے کچھ سوالات ہوں تو ان کو جواب مہیا کئے جائیں۔ ان کی جانب سے اعتراض پیدا ہو تو اس کو رفع کرنے کے لیے وضاحتیں پیش کی جائیں۔ اس کے اندر کچھ معانی مضمر ہوں جن کی طرف سرسری طور پر توجہ نہ ہوئی ہو تو ایسے معانی کھولے جائیں اور مخاطبین پوری طرح مطمئن کئے جائیں۔

تعلیم کتاب کے اس فریضہ کو ادا کرتے ہوئے حضورؐ نے تمام عبادات واصطلاحات وضو، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج وطواف وعمرہ وغیرہ کی عملی شکل متعین فرمائی اور امت کو اس کی تربیت دی۔ اسی طرح احکامِ شرعیہ جو قرآن میں اصولی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ان پر عمل کر کے ان کی تفصیلی شکل واضح فرمائی اور امت کو ان کا یہی قالب اختیار کرنے کا حکم دیا اسی کا نام سنتِ رسولؐ ہے (۲۳)۔

تعلیمِ حکمت:

حِکمت سے مراد عقل ودانش کی وہ پختگی ہے جس سے صحیح فکر اور صحیح عمل وجود میں آتا ہے۔ آسمانی ہدایت میں جس طرح احکام شریعت دیئے جاتے ہیں اسی طرح اس میں زندگی کا صحیح فلسفہ اور ہر ضروری معاملات میں درست فکر بھی واضح کی جاتی ہے۔ حکمت اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے اور نبیؐ کو اس کا معلم بنایا گیا ہے۔ آپ نے اس حوالہ سے اپنی حیثیت یوں بیان فرمائی ہے۔ **انما انا قاسم والمعطی هو الله** حکمت کی تعلیم کا طریقہ عقلوں کی تربیت اور کردار کی تعمیر ہے۔ کسی کو حکمت منتقل کرنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کی بکثرت مشق کرائی جائے۔ فہم کے لیے روشنی مہیا کی جائے اور غور وفکر اور تعقل وتدبر کی عادت ڈالی جائے۔

رسول اللہ قرآن پر غور وفکر اور تدبر کی تربیت فرماتے۔ صحابہ کرامؓ کی مجالس میں ان سے ایسے سوالات کرتے جن سے وہ سوچنے پر مجبور ہوں اور ان میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو مثال کے طور پر آپ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا کہ وہ کون سا درخت ہے جو ایک بندۂ مومن کی طرح ہے لوگ صحرا کے درختوں پر غور کرنے لگے لیکن آپ نے فرمایا کہ کھجور کا درخت ایک مؤمن کی مثال ہے۔

حضورؐ نے کئی چیزوں کی حکمت اسی طرح تمثیلات کی مدد سے سمجھائی، مثلاً آپ نے صحبتِ صالح کے فوائد عطر فروش کے پاس جانے اور بری صحبت کے نقصانات ایک لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھنے کے اثرات کی مدد سے سمجھائے (۲۴)۔

کتاب وحکمت کی تعلیم کا تعلق:

سید سلیمان ندوی آیت

﴿یَتْلُوا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

کے تحت تلاوتِ کتاب اور تعلیمِ کتاب وحکمت کے درمیان لطیف فرق کو یوں واضح فرماتے ہیں:

''سوال یہ ہے کہ پہلی اور تیسری آیتیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں یا دو۔ اگر ایک معنی رکھتی ہیں تو اس بے سود تکرار کا فائدہ کیا۔ کیوں نہ دوسری جگہ یتلو اکا لفظ رکھ دیا گیا اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتی ہیں جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھ سکتا ہے تو ان دونوں معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا۔ اگر رسولؐ کا فرض محض وحی کی زبان سے سنی ہوئی آیتیں پڑھ کر دوسروں کو سنا دینا ہے اور اسی پر تبلیغ کا فریضہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کا تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھ کر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ بالکل ظاہر ہے کہ تعلیم کا مفہوم تلاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے خصوصاً جب کہ تعلیم کا لفظ تلاوت کے بعد آیا ہے۔ وحی کے سنا دینے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہے مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہتا ہے۔ کتاب کی تعلیم کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ سنا دینا اور پڑھا دینا یا دوسروں کو یاد کرا دینا نہیں بلکہ الفاظِ قرآن کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا اس کے مشکل مطالب کو حل کرنے، مجمل معنی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے ان کی شرح و تفصیل کہہ دینے کا نام کتاب وحکمت کی تعلیم ہے اور یہ کہ آپ کا دوسرا یا تیسرا فریضہ تھا'' (۲۵)۔

تزکیہ نفوس:

رسول اللہؐ کے تمام مذکورہ فرائض تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا اصل مقصود تزکیہ نفوس ہے جو تمام انبیاء کی بعثت اور جدوجہد کا حقیقی مقصد ہوتا ہے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> ''تزکیہ کے معنی پاک وصاف کرنے کے ہیں آپ کا یہ وصف پہلے دو اوصاف سے الگ ہے۔ یہ پاک وصاف کرنا آیات الٰہی کی تلاوت اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے بعد نبیؐ کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی تعلیم وتربیت، فیضانِ صحبت، حسنِ اخلاق، پند وموعظت اور تبلیغ ودعوت کی تاثیر سے برے اچھے، بدنیک اور اشرار اخیار بن جاتے ہیں'' (۲۶)

خالد مسعود لکھتے ہیں:

''تزکیہ ایک وسیع الاطرف عمل ہے اس میں زندگی کا ہر پہلو خواہ ظاہری ہو یا باطنی، عقلی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا اجتماعی وسیاسی، زیر بحث آتا ہے۔اس میں اس بات کی تربیت ہوتی ہے کہ انسان کا رویہ صحیح علم پر مبنی ہو۔ وہ ایسے کام کرے جن سے اس کو اپنے پروردگار کا قرب حاصل ہو سکے اور وہ دوسرے انسانوں کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہو۔اس میں معاملات کی اصلاح اور کنبہ وخاندان، معاشرہ اور قوم سب کے ساتھ درست فہم پر تعلقات کی تعمیر کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔تزکیہ کے عمل سے نکلنے کے بعد ایک انسان کامل وجود میں آتا ہے اور پیغمبر اسی طرح کے انسانِ کامل تیار کرتے ہیں جن کے قدم سے یہ دنیا قائم ہے'' (۲۷)

تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی کا نبویؐ منہاج:

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا تعلیم وتربیت کا عمل ہمہ وقت، ساتھ ساتھ چلتا نظر آتا ہے اور کوئی لحہ ایسا نظر نہیں آتا جب دونوں میں سے کسی ایک پہلو سے غفلت برتی گئی ہو دراصل یہی آپ کی تعلیمات کی جامعیت وکاملیت ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی ابتدائی آیات ہی میں علم کی غرض وغایت اور مقاصد کی نشاندہی کر دی گئی:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ (۲۸)

پڑھ! اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ! تیرا رب بڑا اکریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم دیا انسان کو وہ بات سکھائی جسے وہ نہ جانتا تھا۔

مذکورہ آیات میں مقاصد تعلیم کا تعین بھی ہو گیا کہ علم وہی کارآمد ومفید ہوگا جو معرفتِ خداوندی اور معرفتِ ذات سے آگاہ کرے۔اگر کوئی علم ان مقاصد کو پورا نہیں کرتا تو وہ حقیقی معنوں میں علم ہی نہیں ہے۔

دوسری وحی جو سورۃ المدثر کی پہلی پانچ آیات پر مشتمل ہے واضح طور پر معلم کی شخصیت اور تعلیم وتربیت کے طریقہ کار کی نشاندہی کرتی ہیں:

﴿یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ﴾ (۲۹)

اے کمبل پوش! اٹھ اور (لوگوں کو ان کی بدعملی کے نتائج سے) ڈرا۔اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر، اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے الگ تھلگ رہ۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ اس سے واضح طور پر یہ بات اخذ کی ہے ایک معلّم اور مربّی کے لیے روحانی اور جسمانی طور پر اپنے آپ کو پاکیزہ رکھنا از حد ضروری ہے، نہ صرف پیغمبر کے لیے بلکہ ہر اس شخص کے لیے جو انسانی معاشرہ میں تعلیم وتربیت اور تزکیہ نفوس کا فریضہ سرانجام دینا چاہتا ہے۔نیز یہ آیات ان لوازمات کی بھی نشاندہی کرتی ہیں

جو تعلیم وتربیت کے لیے ناگزیر ہیں (۳۰)۔

تعلیم وتربیت کا اصلاً آغاز انسان کی اپنی ذات اور اہل خانہ سے ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾ (۳۱)

''اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ''

پھر یہ دائرہ بتدریج وسیع ہوتا چلا جاتا ہے:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (۳۲)

آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو ڈرائیے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے تعلیم وتربیت کے حدودِ کار کا تعین یوں فرمادیا ہے:

کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہٖ فالامام راع وھو مسؤل عن رعیتہ والرّجل راعٍ فی اھلہٖ وھو مسؤل عن رعیتہ والخادم فی مال سیّدہ راع وھو مسؤل عن رعیتہٖ (۳۳)

تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے پس امام نگران ہے اور اپنی رعیت کا ذمہ دار بھی۔ آدمی اپنے اہل وعیال کا نگران ہے اور اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار بھی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اپنے ماتحتوں کی ذمہ دار بھی اور خادم اپنے آقا کے مال کا محافظ اور ماتحتوں کا ذمہ دار بھی۔

رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف انفرادی سطح پر یا گھریلو سطح پر ہی تعلیم وتربیت کا اہتمام نہیں فرمایا بلکہ اس کے لیے ایسے مراکز بھی قائم کیے جن میں یہ کام وسیع پیمانے پر اور اجتماعی سطح پر سرانجام پائے۔ ماہرین نفسیات اس امر پر متفق ہیں جو تربیت کسی مرکز میں اجتماعی طور پر ہوسکتی ہے وہ انفرادی سطح پر سرانجام نہیں پاسکتی۔

مکی دور میں اس کی بہترین مثال دارارقم سے دی جاسکتی ہے۔ مکہ کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے ارقم بن ابی الارقم مخزومی کے گھر کو دعوت، تعلیم وتربیت کا مرکز قرار دیا۔ معروف سیرت نگار صفی الرحمٰن لکھتے ہیں:

'چنانچہ آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ خفیہ طور پر اکٹھا ہوتے۔ ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتے ان کا تزکیہ کرتے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے' (۳۴)۔

اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا ایک مسجد تعمیر فرمائی جسے مسجد نبویؐ کہتے ہیں۔ یہ مسجد مسلمانوں کی تعلیم وتربیت، عبادت اور دیگر اجتماعی سرگرمیوں کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی۔ پھر مسجد نبویؐ کے متصل ایک چبوترہ تعلیم وتربیت کے لیے تعمیر کیا گیا جسے صفّہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں ہر طرح کے طلباء (صحابہ کرامؓ) آپ کی زیر نگرانی ہوتے۔ جزوقتی بھی اور کل وقتی بھی۔ مگر زیادہ تعداد ایسے افراد کی تھی جو مستقل طور پر رہائش پذیر تھے۔ یہی وجہ ہے ڈاکٹر حمید اللہ نے صفّہ کو اقامتی جامعہ (Residential University) سے تعبیر کیا ہے (۳۵)۔

صفہ میں مختلف اوقات میں مختلف تعداد رہی۔ یہ تعداد کل ملا کر تین سو کے قریب پہنچتی ہے یہ آپ کی تعلیم وتربیت کا ہی فیضان تھا کہ داعی اور معلم بھی یہیں سے روانہ کئے جاتے اور اگر کہیں منتظم کی ضرورت پڑتی تو بھی یہیں سے انتخاب ہوتا۔ آج کے ماہرین تعلیم بھی اس امر پر متفق ہیں کہ فرد کی ہمہ جہت تعلیم اور تربیت تبھی ممکن ہے کہ وہ کل وقتی اپنے اتالیق کی نظر میں رہے۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کے علاوہ دیگر مساجد بھی تھیں جس میں تعلیم وتدریس کا انتظام تھا بقول محمد حمید اللہ:

''صفہ کے بعد جلد ہی اور مدرسے قائم ہوئے بلاذری نے لکھا ہے کہ مدینے میں عہد نبوی میں نو مساجد تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے محلے کی مسجد میں اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کریں'' (۳۶)

تعلیم وتربیت صرف مردوں کا ہی حصہ نہیں رسول اکرم ﷺ نے طلب علم میں مرد وعورت کو یکساں حق دیا ہے۔

عن انسؓ قال قال رسول اللہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم(۳۷)

کسی بھی معاشرہ کی ترقی کے لیے نصف آبادی یعنی طبقہ نسواں کو تعلیم وتربیت سے الگ نہیں رکھا جا سکتا۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ کی توجہ اس طرف بھی رہی۔

عن ابی سعید الخدری قال: قالت النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسک فوعظھن یوماً لقیھن فیہ فوعظن وامرھن بصدقة(۳۸)۔	ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ عورتوں نے آنحضور ﷺ سے کہا کہ مردوں نے آپ سے ہماری نسبت زیادہ حصہ لیا ہے آپ ہمارے لیے ایک مخصوص دن رکھیں آپ نے ایک دن کا وعدہ فرمایا اس میں آپ ان سے ملے انہیں نصیحت کی اور صدقہ کا حکم دیا۔

ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ خواتین نے حضورؐ سے مطالبہ کیا تو آپ نے ایک جگہ کا تعین فرمایا اور وہاں انہیں تعلیم دی (۳۹)۔

خواتین آپ سے سوال کرتیں اور آپ انہیں جواب عطا فرماتے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: انصار خواتین بہت اچھی ہیں کہ انہیں دینی بصیرت حاصل کرنے میں حیا مانع نہیں ہوتی (۴۰)۔

اسی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ عورتوں میں بھی کمالِ فن خواتین موجود تھیں۔ عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں:

ما رأیت احداً من الناس اعلم بالقرآن ولا بفریضة ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحدیث العرب ولا نسب من عائشةؓ(۴۱)

''میں نے لوگوں میں سے کسی شخص کو قرآن، فرائض، حلال وحرام، شعر، اخبار عرب اور نسب کے بارے میں عائشہؓ سے زیادہ عالم نہیں دیکھا''

تعلیم وتربیت میں رسول اکرمؐ کا منہج واسلوب مندرجہ ذیل نکات سے واضح ہوتا ہے:

عملی نمونہ پیش کرنا:

معلمِ اخلاق کی تعلیم اگر الفاظ کا مجموعہ ہو اور عمل کی طاقت اس کے ساتھ نہ ہو تو وہ نقش بر آب ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے دور کا المیہ یہ ہے کہ قول وفعل کا تضاد کم وبیش ہر جگہ نظر آتا ہے۔ گھروں، بازاروں، منڈیوں، تعلیمی اداروں، عدالتوں اور ایوانِ سیاست غرض کون سی جگہ ہے جو اس تضاد سے پاک ہے۔ کوئی بھی معاشرہ جب تک قول وفعل کے اس تضاد سے نجات نہیں پالیتا وہ اعلیٰ اقدار کو نہیں پاسکتا۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو یوں آشکار کیا ہے۔

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾(۴۲)

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے جو کہو اس کو کرو نہیں۔

اگر حضور اکرم ﷺ کی دعوت، آپ کا پیغام صرف زبان کی حد تک رہتا تو یہ دعوت تمام تر خوبیوں کے باوجود دھویں کے مرغولوں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جاتی۔ اگر لوگ آنحضورؐ کے قول وعمل میں ذرا سا بھی تضاد دیکھتے تو وہ دیوانہ وار آپ پر نچھاور نہ ہوتے اور آپ کے حکم پر یوں سرِ تسلیم خم نہ کرتے مگر انہوں نے دیکھا کہ اللہ کا یہ رسول جو بھی لفظ زبان سے نکالتا ہے اس کی زندگی خود اس کی آئینہ دار ہے۔ جب آپ نے دعوت پیش فرمائی تو اپنی زندگی کو بطور مثال پیش فرمایا۔

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (۴۳)

''میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں''

حضرت عائشہؓ نے آپ کو سب سے زیادہ قریب سے دیکھا وہ آپ کے اسوہ کی گواہی ان الفاظ میں دیتی ہیں۔

کان خلقہ القرآن، یعنی آپ کی سیرت قرآن کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل خانہ سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی تو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

عن عائشةؓ قالت: قال رسول اللہ: خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی(۴۴)

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں''

غزوۂ خندق کے موقع پر ایک صحابی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے فقر وفاقہ کی شکایت کرتے ہیں اور دامن اٹھا کر پیٹ پر باندھا ہوا پتھر دکھاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے اللہ کے رسول میں نے شدت بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے۔ اللہ کے رسول کوئی وعظ ونصیحت نہیں فرماتے اور نہ خشک لب ولہجہ میں صبر کی تلقین کرتے ہیں بلکہ آپ جواب میں اپنے بطن مبارک سے چادر ہٹا لیتے ہیں تو شکایت کرنے والا یہ دیکھ کر کہ اللہ کے رسول نے اپنے پیٹ پر ایک کی بجائے دو پتھر باندھ رکھے ہیں اپنی شکایت پر پریشان ہو جاتا ہے اور صبر ورضا کا پیکر بن جاتا ہے(۴۵)

حکمت ودانائی کے ساتھ تربیت:

آج ہمارے معاشرے میں حکمت ودانائی مفقود ہوگئی۔ اولاد والدین کے خلاف شکایت کناں ہے تو شاگرد اساتذہ کے خلاف، عوام الناس اپنے رہنماؤں سے شاکی ہیں۔ مگر تعلیم وتربیت میں سب سے اہم ہتھیار حکمت ودانائی ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا:

﴿مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (۴۶)

رسولِ اکرم ہمیشہ تعلیم وتربیت میں حکمت ودانائی کو مدنظر رکھتے تھے مثلاً آپ اس امر کا بطور خاص لحاظ فرماتے کہ اگر کسی کی کوتاہی علم میں آجائے تو اس کو اس انداز سے نہ ٹوکا جائے کہ اسے برا محسوس ہو یا اس کے جذبات کو ٹھیس لگے چنانچہ آپ اس کے لیے کسی مناسب موقع کا انتظار کرتے انفرادی طور پر متنبہ کرنے کی بجائے کسی مجمع کو خطاب کرتے ہوئے آپ اس کی کوتاہی کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں غلطی کرنے والے کو احساس ہوجاتا اور وہ اس کو ترک کردیتا اور اسے محسوس بھی نہ ہو پاتا کہ یہ بات خاص طور پر مجھ سے ہی کہی جارہی ہے۔

ایک بار رسول اللہ کو معلوم ہوا کہ لوگوں نے آپ کی بتائی ہوئی عبادت کو کم سمجھ کر غلو اختیار کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ کسی نے کہا کہ میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کسی نے عزم کیا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ کسی نے کہا میں کبھی بستر پر نہ سوؤں گا۔ جب آپ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے براہ راست گفتگو کی بجائے لوگوں کو خطاب فرمایا:

مابال اقوامٍ یقول احدھم کذا وکذا ولکنی اصوم وافطر وانام واقوم واکل اللحم وأتزوج النسآء فمن رغب عن سنتی فلیس منی (۴۷)۔

کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں اور نماز کے لیے کھڑا بھی ہوتا ہوں۔ گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں۔

ایک مرتبہ ابوسلمہؓ اپنے بچپن میں آپؐ کے ساتھ کھانا کھارہے تھے۔ ان کا ہاتھ پلیٹ میں اِدھر اُدھر پڑ رہا تھا۔ چونکہ وہاں کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔ اس لئے بروقت متنبہ بھی کرنا ضروری تھا۔ مگر آپ نے پیار بھرے لب ولہجہ میں مثبت انداز اختیار فرمایا:

یا غلام سم اللہ وکل بیمینک ومما یلیک (۴۸)۔

”اے بچہ (جب کھانا کھاؤ تو سب سے پہلے) اللہ کا نام لیا کرو داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنی طرف سے کھایا کرو“

تعلیم وتربیت کے ضمن میں یہ امر بھی حکمت میں شامل ہے کہ زیادہ لمبی بات، یا اکتادینے والے وعظ سے گریز کیا جائے۔ آپ ہمیشہ مختصر الفاظ میں مدعا بیان کرنے کی کوشش کرتے تاکہ سننے والے کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے

چند جوامع الکلم دیکھئے۔

خیر الامور عواز مها — بہترین معاملہ وہ ہے جس کا عزم کرلیا گیا ہو۔

خیر العلم ما نفع — بہترین علم وہ ہے جو نفع بخش ہو۔

خیر الغنی غنی النفس — بہترین مال داری دل کی مال داری ہے (۴۹)۔

موقع ومحل کی مناسبت سے تربیت:

آج کا معلّم محض کلاس کی حد تک، عالم وشیخ محض مسجد و مدرسہ اور خانقاہ کی حد تک تعلیم اور تربیت کی ذمہ داری کو سمجھتا ہے، گھر، محلّہ، بازار اور معاشرہ میں ایک بچہ اور فرد کیا سیکھتا ہے اس سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اسوۂ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب قیدیوں نے آپ سے خواب کی تعبیر پوچھنا چاہی تو آپ نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے مطلب کی بات بھی کہہ دی۔

﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ﴾ (۵۰)

''اے قید خانہ کے رفیقو! کیا کئی جدا جدا معبود بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو زبردست ہے''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی تربیت کے لیے بہتر مواقع کی تلاش میں رہتے آپ کو جب بھی موقع ملتا تو آپ اس کو ضائع نہ ہونے دیتے بلکہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے۔صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپسی پر مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے۔ وہاں ایک چھوٹے کانوں والا مردہ بکری کا بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس کے کان پکڑ کر اٹھایا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ کون اس مردہ بچہ کو ایک درہم میں خریدتا ہے؟ صحابہ نے فرمایا ہم کسی بھی قیمت پر خریدنا نہیں چاہتے ہمارے کسی کام کا نہیں۔ اگر زندہ بھی ہوتا تو عیب دار تھا اور اب تو یہ مردہ ہے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا، خدا کی قسم یہ بچہ تمہاری نظر میں جتنا بے وقعت ہے دنیا اللہ کی نظروں میں اس سے زیادہ بے وقعت ہے (۵۱)۔

بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا **متی الساعة یا رسول اللہ؟** بظاہر یہ ایک سادہ سا سوال تھا۔ آپ کو اس کا جواب دے کر ختم کر دینا چاہیے تھا مگر جب آپ نے دیکھا کہ ایک شخص پر قیامت کی فکر طاری ہے تو آپ نے جواب دینے کی بجائے خود سوال کیا۔ **ماذا عددت لها؟** اس سوال کے ذریعے سوچ کے انداز کو ایک مثبت اور صحیح رخ دیا آپ کے سوال نے سائل کو احتسابی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیا اور جواب دیا **حب اللہ ورسولہ** آپ نے یہ جملہ سنا فرحت وخوشی سے فرمایا: **انت مع من احببت** (تم نے جس سے محبت کی تم اسی کے ساتھ رہو گے) گویا آپ نے موقع ومحل کی نزاکت سے جواب دیا۔

افراد کی کیفیات اور مزاج کو پیش نظر رکھنا بھی تربیت کے لوازمات میں سے ہے۔ آپ گفتگو برتاؤ اور ہر چیز میں مخاطبین کی استعداد اور نفسیات کا پورا خیال رکھتے تھے آپ کو مردم شناسی میں کمال حاصل تھا۔

تربیت میں میل جول کی اہمیت:

آج کے دور کا المیہ ہے کہ تعلیم وتربیت کرنے والا طبقہ معاشرہ سے کٹ کر گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گیا ہے خود وہ بھی معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات، رجحانات اور تبدیلیوں سے بے خبر ہوتا ہے۔ نیز وہ معاشرہ سے توقع کرتا ہے کہ وہ چل کر ان کے مدارس، اور خانقاہوں میں جائیں اور فیض حاصل کریں۔

رسولِ اکرم کا اسوۂ یہ بتاتا ہے کہ آپؐ لوگوں سے کٹ کر نہ رہتے بلکہ گھل مل کر رہتے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، سفر میں ان کے ساتھ کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں چنتے، مسجد کی تعمیر ہوتی تو آپ خود بھی پتھر چن کر لاتے، خندق کی کھدائی کا موقع آیا تو آپ نے بھی کدال سنبھالی اور صحابہ کے ساتھ خندق کھودی۔ جنگ کا موقع ہوتا تو صحابہؓ کے ساتھ آخری وقت تک شریک رہتے اپنے رفقاء کے غم اور خوشی کو اپنا غم اور خوشی سمجھتے ان کے غم اور خوشی میں شریک ہوتے، ان کے دکھ درد کو بانٹ لیتے، مصیبت زدوں کا سہارا بنتے، پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے، ٹوٹے دلوں کو جوڑتے، غم زدوں کے زخموں پر مرہم رکھتے، اپنے حسن سلوک اور سچی مسکراہٹوں سے لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرتے۔

مختصر یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے کو سماج سے اس قدر قریب کر رکھا تھا کہ سماج کا ہر فرد یہ سمجھتا تھا کہ اللہ کے رسولؐ سب سے زیادہ اسی سے قربت ومحبت رکھتے ہیں یہ برتاؤ اور سلوک صحابہ کرامؓ کے دلوں میں اپنا گھر بنالیتا تھا۔ اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دینے والوں کی ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ وہ اپنے زیر تربیت افراد اور سماج کی اکائیوں سے زیادہ سے زیادہ ربطہ وضبط پیدا کریں (۵۲)۔

شدت کی بجائے نرمی کا پہلو مدّنظر رکھنا:

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تربیت پر غور کرتے ہیں تو احادیث سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تعلیم وتربیت اور اصلاح وتزکیہ کے سلسلے میں شدت کی روش اختیار فرماتے تھے اور نہ دوسروں کو اجازت دیتے تھے۔ آپ نے واضح طور الفاظ میں فرمایا: دین آسان ہے جو شدت کا رویہ اپنائے گا۔ وہ مغلوب ہو جائے گا۔ اس لیے سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو (۵۳)۔

اگر ہم اپنے یہاں کے معلمین، علماء اور مشائخ کو دیکھیں تو انہوں نے اپنی تنگ نظری سے مسجدوں اور مدرسوں کو خوف ناک جگہیں بنا دیا ہے جہاں لوگ جانے سے ڈرتے اور ان حضرات کو ملنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ جہالت یا عدم واقفیت ایک مرض ہے اسے معذور سمجھ کر ازالے کی کوشش کرنا انسانیت کی خدمت ہے لیکن اس سے اظہار نفرت وانتقام اور بعض وعناد کر کے اس کی اصلاح کے تمام راستے مسدود کرنے والی بات ہے (۵۴)۔

تعلیم وتربیت کے سلسلے میں نرمی وآسانی کو اختیار کرنا اور سختی سے اجتناب کرنا کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب رسول اللہؐ نے حضرت معاذؓ اور حضرت موسیٰ اشعریؓ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا تو انہیں نصیحت کی:

یسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولاتنفّرا (۵۵)۔

''نرمی کرنا،سختی نہ کرنا،خوش خبری سنانا،متنفر نہ کرنا،مل جل کر رہنا،اختلاف سے بچنا''

اسی طرح آپ کا فرمان ہے:

عَلّموا ویسّروا ولا تعسّروا واذا غضب احدکم فلیسکت(۵٦)۔

''سکھاؤ آسانی پیدا کرو،مشکل نہیں اور جب کوئی غصے میں ہو تو اسے خاموش ہو جانا چاہیے''

مزید ارشاد فرمایا:

خیر دینکم الیسرۃ وخیر العبادۃ الفقہ(۵۷)۔

''تمہارا بہتر دین آسان ہے اور اچھی عبادت دینی بصیرت حاصل کرنا ہے''

آپ نے حتی الامکان دینی زندگی کو آسان بنایا۔صحابہ کے سوال پر فرمایا۔بار بار سوال نہ کرو ورنہ دین مشکل ہو جائے گا۔

حرفِ آخر:

وطن عزیز میں تعلیم وتربیت کے لحاظ سے افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ایک طبقہ جو دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہے بلاشبہ وہ دینی لحاظ سے تربیت کا حامل ضرور ہے۔مگر عصری علوم اور تقاضوں سے بے نیاز ہے۔مزید براں وہ جدید علوم سے کسی حد تک بے بہرہ اور جدید علوم کے تعلیم یافتہ طبقے کا مخالف ہے۔فکری لحاظ سے یہ طبقہ ایک انتہاء پر ہے۔

دوسرا طبقہ جو لارڈ میکالے کے نظام تعلیم سے فیض یافتہ ہے اس میں ایک احساس برتری نمایاں ہے۔وہ ایسے نظام سے وابستہ رہا ہے جہاں دین ومذہب کو اجتماعی علوم سے الگ رکھ کر دیکھا جاتا ہے۔یہ طبقہ تربیت سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے اور یہ ایک دوسری انتہاء پر کھڑا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسا نظام تعلیم تشکیل دیا جائے جس میں دین ودنیا کی دوئی نہ ہو۔جس میں تعلیم وتربیت کا یکساں اہتمام ہو۔قومی اور ملی سوچ ایک ایسے نظام تعلیم کی تشکیل سے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔بقول ڈاکٹر رفیع الدین:

''صحیح نظریۂ زندگی ایک ہے لیکن غلط نظریات زندگی لاتعداد ہیں اور چونکہ وہ لاتعداد ہیں وہ نوعِ انسانی کو ایسے ٹکڑوں میں بانٹ دیتے ہیں جن میں اخلاقی نقطہ نظر سے اشتراکِ عمل ممکن نہیں ہوتا۔چونکہ ہر گروہ یا قوم کا ضابطہ اخلاق اس کے نظریۂ زندگی سے پیدا ہوتا ہے۔لہذا ضروری ہے کہ وہ ہر دوسری قوم کے ضابطہ اخلاق سے الگ ہو......صرف صحیح نصب العین حیات ہی انسان کے لیے دائمی امن اور اطمینان اور ترقی اور فارغ البالی کا ضامن ہے۔اگر ہم اپنا نظام تعلیم اس نصب العین کے مطابق بنادیں گے تو ہم ایک ایسی قوم تیار کریں گے جو اقوامِ عالم کو امن اور ترقی کا راستہ دکھا سکے'' (۵۸)

حوالہ جات وحواشی

۱۔ انجیل یوحنا،۲۶:۱۴ ؛ قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کا یوں ذکر ہے: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ(الصف:۶)

۲۔ ابن ماجه، مقدمه، باب فضل العلماء، ۱/۸۳

۳۔ ترمذی، کتاب البیوع، باب استقراض البعیر، ۳/۶۰۷

۴۔ ترمذی، ابواب العلم، ۲/۹۳

۵۔ اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن (مترجم)، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور، ۱۹۸۸ء، ۱/۳۷۲

۶۔ الحج،۲۲:۵

۷۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ باب قبول الصدقة من الکسب

۸۔ اصفہانی، امام راغب، حوالہ مذکورہ، ۱/۲،۳

۹۔ ممتاز احمد عبدالطیف، اسلام کا تربیتی تعلیمی اور تدریسی نظام، مرکز الاصلاح، بہار انڈیا ۱۹۹۷ء، ص:۶۷

۱۰۔ التحریم، ۶۶:۷، امام غزالی، احیاء العلوم، ۳/۴۷

۱۱۔ ممتاز احمد عبداللطیف، اسلام کا تربیتی تعلیمی اور تدریسی نظام، حوالہ مذکورہ، ص:۲۷

۱۲۔ الشمس، ۱۱۰:۷۔۱۰

۱۳۔ البقرة،۲:۱۵۱

۱۴۔ ممتاز احمد عبداللطیف، اسلام کا تربیتی تعلیمی اور تدریسی نظام، حوالہ مذکورہ، ص:۴۰

۱۵۔ الروم، ۳۰:۳۰

۱۶۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علی

۱۷۔ صحیح ابن حبان، کتاب الرقاق، باب الخوف والتقویٰ

۱۸۔ ممتاز احمد عبداللطیف، اسلام کا تربیتی تعلیمی اور تدریسی نظام، حوالہ مذکور، ص:۱۴

۱۹۔ معجم طبرانی

۲۰۔ ابو داؤد، کتاب الادب، باب من یؤمر عن یجالس

۲۱۔ العنکبوت، ۲۹:۴۵

۲۲۔ خالد مسعود، حیاتِ رسولِ امّی، دار التذکیر، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۵۷۱

۲۳۔ ایضاً، ص:۵۷۳

۲۴۔ ایضاً، ص:۵۷۴

۲۵۔ ندوی، سلیمان، سید، سیرت النبیؐ، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء، ۴/۹۵

۲۶۔ ایضاً، ۴/۱۰۶،۱۰۷

۲۷۔ خالد مسعود، حیاتِ رسول امی، حوالہ مذکورہ، ص:۵۷۶

۲۸۔ العلق، ۹۶:۱۔۵

۲۹۔ المدثر، ۷۴:۱۔۵

۳۰۔ مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، المکتبۃ السّلفیہ لاہور، ص:۱۰۴،۱۰۵

۳۱۔ التحریم،۶:۶۶

۳۲۔ الشعراء،۲۶:۲۱۴

۳۳۔ مسلم، كتاب الامارة باب فضيلة الامام العادل، ٧/٦

۳۴۔ مبارکپوری،صفی الرحمٰن،الرحیق المختوم،المکتبۃ السلفیہ لاہور،ص:۱۲۰

۳۵۔ حمیداللہ،ڈاکٹر،عہد نبوی کا نظامِ تعلیم خطبات بہاولپور،اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور،۱۴۰۱ھ،ص:۲۲۹

۳۶۔ ایضاً ص:۲۳۱

۳۷۔ ابن ماجه، مقدمه بابفضل العلماء، ٨١/١

۳۸۔ بخاری، كتاب العلم، باب هل يجعل للنسآء يوم على حده، ٣٤/١

۳۹۔ مسند احمد، ٥٨/١٢

٤٠۔ بخاری، كتاب العلم، باب الخيار فى العلم، ٢١/١

٤١۔ قرطبی، الجامع البيان، ١٠٨/١٢

۴۲۔ الصف،۶۱:۲،۳

۴۳۔ یونس،۱۰:۱۶

٤٤۔ ترمذی، كتاب المناقب، باب فضل ازواج النبیؐ، ٧٠٩/٥

۴۵۔ ندوی،سراج الدین،مولانا،رسولِ خدا کا طریق تربیت،اسلامک پبلی کیشنز لاہور،۲۰۰۳ء،ص:۹۹

۴۶۔ البقرۃ،۲:۲۶۹

٤٧۔ صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن طاقة نفسه اليه

٤٨۔ صحيح بخاری، كتاب الاطعمه باب التسمية على الطعام والاكل باليمين

۴۹۔ ندوی،سراج الدین،رسولِ خدا کا طریق تربیت،حوالہ مذکور،ص:۱۶

۵۰۔ یوسف،۱۲:۳۹

۵۱۔ صحیح مسلم

۵۲۔ ندوی،سراج الدین،رسولِ خدا کا طریق،تربیت،حوالہ مذکور،ص:۹۴

۵۳۔ بخاری ومسلم

۵۴۔ خالد علوی،ڈاکٹر،انسان کامل،الفیصل ناشران وتاجران کتب،اردو بازار لاہور،ص:۱۸۷

٥٥۔ صحيح مسلم، كتاب الجهاد،باب فى الامر بالتسير، ١٤١/٥

٥٦۔ مسند احمد، ٢٤٤/١٢

٥٧۔ بخاری، كتاب الاعتصام بالكتاب والنسة۔

۵۸۔ رفیع الدین،محمد،اسلام کا نظریہ تعلیم،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،کلب روڈ لاہور،۱۹۵۱ء،ص:۴۰،۴۱